

ڈاکٹر فضل الرحمن کی کتاب ”اسلام“ پر ایک نظر

کتاب — اسلام
مصنف — ڈاکٹر فضل الرحمن سابق ڈائریکٹر مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی
مطبوعہ — آکسفورڈ پریس ویڈنفلینڈ - انگلینڈ
قیمت — ۲۵/- روپے

زیر نظر کتاب ظاہراً نہایت عالمانہ باریکیوں کی حامل ہے۔ مگر اس میں جا بجا تاریخی حقائق کو جھٹلایا گیا ہے، اور اسلام کے متفقہ عقائد کو معنی خیز طریقے پر غلط پیش کیا گیا ہے۔ مصنف اپنی کتاب کے متعلق کہتا ہے — ”بنیادی طور پر یہ کتاب واقعات پر مبنی ہے۔ اس لئے یہ واقعیت اور نگاہ خارجی کی حامل ہے۔ البتہ اس کے بعض مقامات میں ترجمانی اور رائے کا دخل بھی ہے۔ یہ ترجمانی محض تاریخی معنوں میں نہیں اسلامی معنوں میں بھی کی گئی ہے۔“ اتفاق کہئے یا قصد یہ ترجمانی ان ابواب میں کی گئی ہے جو حضور سرور کائنات علیہ السلام اور قرآن حکیم سے متعلق ہیں۔ یہ دو ابواب ایمان و ایقان میں بنیادی مقام کے حامل ہیں۔ اب تک حضور بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن حکیم کے متعلق مسلمانوں میں بہت ہی کم اختلافات پائے جاتے ہیں۔ لیکن اب اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ کہ اگر ڈاکٹر فضل الرحمن اپنے نظریات کو نشر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو مسلمان قوم ساہا سال تک کشت و خون کے ہنگاموں کا شکار ہوتی رہے گی۔ اور جس طرح گذشتہ صدی کے بعض فتنوں نے مسلمانوں کی معتد بہ تعداد کو خارج از اسلام کر دیا تھا۔ اندیشہ ہے کہ کہیں

یہ فتنہ جدید بھی مسلمانوں کی صفوں میں مزید انتشار کا باعث نہ بن جائے۔ ستم یہ ہے، کہ یہ کتاب قاری کی توجہ اپنی طرف کھینچے رکھتی ہے۔ کچھ تو اس لئے کہ اس کا موضوع اسلام ہے۔ اور کچھ اس لئے کہ اس کتاب میں اسلام پر اس طرح کی شدید چوٹیں کی گئی ہیں، کہ ہر لمحہ یہ انتظار رہتا ہے۔ کہ اب اس پر کون سا چرکا لگایا جائے گا۔ یہ مصرع کہ۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ اگر کبھی درست آیا ہے۔ تو اس سے بڑھ کر آج تک کبھی نہیں آیا۔

اس کتاب کو پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے۔ کہ قوم و ملک نے جن لوگوں کو اپنے علم کے موتیوں سے گہرے گہرے گرانا یہ چن چن کر منظر عام پر لانے کے لئے متعین کیا تھا انہوں نے سرمایہ ملت کے ہر تابدار جو ہر بے مثل کو داغدار کہہ کر غلاطت کے انبار میں پھینک دیا ہے، اور ملک و ملت کے نادار عوام ایک آہ سرد لے کر خاموش ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ اس کتاب کو شائع ہوئے دو سال سے زائد عرصہ ہو گیا اور بہت کم لوگوں نے اس کی طرف توجہ کی۔ اسکی ایک وجہ تو یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ مصنف کے عقائد کے متعلق عوام پہلے ہی سے بدظن ہیں۔ اور اس کی تصانیف کی طرف بہت کم توجہ ہوتے ہیں، دوسری وجہ یہ تھی کہ ملک میں ایک ایسا طبقہ بھی ہے، جو ڈاکٹر فضل الرحمن کے مجوزہ اسلام کو اپنی لادینی سے قریب محسوس کر کے مطمئن ہو جاتا ہے، اس خیال سے کہ اب ان کی بے راہ روی اور کتاب و سنت کی کھلم کھلا خلاف ورزی پر کوئی پریشانی کرنے والا نہ ہوگا۔ اس سرد دہری اور خاموشی کی ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ مصنف نے اسلام کے بنیادی عقائد کو اس چابک دستی سے پامال کیا ہے کہ اگر ان کی کسی بات پر گرفت کی جائے تو وہ فلسفیانہ انداز بیان اور الفاظ کے پیچ و خم کی پناہ لے کر اپنی بریت ثابت کرنے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں۔ الفاظ اور بیان کا یہ کمال اس کتاب کو مزید خطرناک اور صرصر رسان بناتا ہے۔ مثال کے طور پر وحی کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتا ہے:

”قرآن خالصہ کلام الہی پر مشتمل ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ نہایت درجہ گہرے طور

جناب بریگیڈیر صاحب ملک کے معروف بزرگ ہیں، خدا نے انہیں سیف و رمان کے ساتھ قلم و قریاس اور دینی بصیرت، ملی جذبات اور درد و سوز سے بھی نوازا ہے۔ دینی اداروں اور ملی امور سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس دینی جذبہ کی بناء پر دارالعلوم حقانیہ میں تشریف لائے ہیں۔ حال ہی میں دارالعلوم تشریف آوری کے موقع پر انہوں نے ادارہ الحق کو رسالے ”ذات کتاب اسلام“ پر اپنا تبصرہ پیش فرمایا جو معمولی اصناف کی نسبت صد شکر و شکر ہے۔ اشاعت ہے۔ ”ادارہ“

پیغمبر اسلام کی داخلی شخصیت کے ساتھ مربوط ہے جس کا میکانیکی طور پر ریکارڈ کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ الفاظ ربانی رسول کے قلب کے راستے وارد ہوتے تھے۔ (ص ۳۳)

لاحظہ کیا آپ نے؟ قرآن کریم اللہ کے الفاظ ہی بتایا گیا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داخلی شخصیت اور واردات قلب پر بھی زور ڈالا گیا ہے۔ تاکہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ حضور سرور کائنات کی داخلی شخصیت کو قرآن کے ساتھ کیوں وابستہ کرتے ہو، تو مصنف کو یہ کہنے کا موقع ملے، کہ آپ نے میرے الفاظ ملاحظہ نہیں کیے، میں نے تو لکھا ہے۔ کہ ”قرآن خالصتاً کلام ربانی ہے۔“

اس کتاب میں جہاں کہیں بھی اس طرح کا فتنہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے، وہاں ساتھ ہی مذکورہ عقائد کا اعادہ بھی کیا گیا ہے جس سے مجموعی طور پر پریشان کن اثر پیدا ہوتا ہے اور خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ مذہب سے نادانیت و جو انوں کو گمراہ کرنے کا اس سے کارگر طریقہ شاید ہی کوئی ہو سکتا ہو۔

بہتر ہوگا کہ ہم مصنف کے خیالات کو ایسی تسلسل سے پیش کریں، جس سے خود مصنف نے انہیں کتاب میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں :-

”یہ خیال کہ پیغمبر وحی کے دوران حواس قائم رکھتے تھے، بہت بعد کا ہے، جسے علماء نے گھڑ لیا ہے، اس کا مقصد یہ تھا کہ وحی الہی کی معروضیت اور فرشتہ وحی کی خارجیت کو ثابت کیا جائے، یہ عقیدہ کہ جبریل کا وجود خارج میں ہے اور رسول پاک پر وحی الہی خارج سے نازل ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے ذہنوں میں اس قدر راسخ ہو چکا ہے کہ اب وہ حقیقت حال سے آشنا ہونے پر آمادہ نہیں۔“

یعنی مصنف کے خیال میں وحی اور شاعرانہ ابہام میں کوئی فرق نہیں اور وحی میں کسی طرح کی خارجیت کو دخل نہیں اور جن الفاظ کو حضور نبی کریم وحی کہا کرتے تھے، یا جنہیں قرآن حکیم وحی کے ذریعے لائے ہوئے الفاظ قرار دیتا ہے، وہ حضور کی داخلی شخصیت کا نتیجہ تھے۔ چونکہ داخلی شخصیت اللہ کی پیدا کردہ تھی اس لئے آپ قرآن کو اللہ کا کلام بھی کہہ سکتے ہیں۔

— یہ ہے وہ استدلال جو مصنف قاری کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ وہ غاصتاً کلام الہی کی آڑ میں اپنی بریت بھی پیش کر سکے۔ یہی وہ مقابلات ہیں جن کے متعلق یوسوسے فی صد در الناس کہہ کے مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا ہے۔

قرآن کے متعلق یہ کہہ چکنے کے بعد ضمناً معراج نبوی کے متعلق عامۃ المسلمین کے جو عقائد ہیں ان کی تضحیک ان الفاظ میں کی گئی ہے یہ

”معراج میں جسمانی طور پر جانے کا جو نظریہ علماء نے من گھڑت حدیثوں کی بنا پر بعد میں پیش کیا۔ وہ تاریخی انسانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور اس کا مواد مختلف ذرائع سے حاصل کیا گیا تھا۔“ (ص ۱۵۱)

مصنف کہنا یہ چاہتا ہے کہ مسلمان علماء بھوٹ اور انسانہ طرزی میں بھی اس قدر نالائقی تھے کہ وہ قابل تسلیم کہانی بھی مرتب نہ کر سکے اور جا بجا من گھڑت احادیث کا سپہارا لیتے رہے۔ عوام الناس کے مذہبی عقائد ظاہری عقل سے کتنے ہی بعید کیوں نہ ہوں ”فکر و نظر“ کے اجارہ داروں کو یہ حتیٰ ہرگز حاصل نہیں کہ وہ اس طرح کھلے بندوں ان کے عقائد کی تضحیک کریں، خصوصاً وہ اصحاب فکر و نظر جن کے نان شبینہ پر خرچ ہونے والی ایک ایک کوڑی ان غریب عوام کے خون اور پسینے کی پیدا کردہ ہو۔ یہ لوگ شاید بھول گئے ہیں کہ جن عقائد کا وہ مذاق اڑا رہے ہیں، مملکت پاکستان ان کی حفاظت کے لئے دہرہ میں آئی تھی۔ انہی عقائد کی سالمیت کیلئے لاکھوں انسانوں نے اپنی جانیں قربان کی تھیں اور اب بھی ان عقائد کی حفاظت کیلئے

لے وہ امور جن سے قطعی طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ وحی ایک خارجی چیز تھی نہ کہ دوارست قلبی، مثلاً جبریل علیہ السلام کا نمودار ہونا، یا وحیۃ الکلبی صحابی کی شکل میں ظاہر ہونا یا حضور اقدسؐ پر نزول وحی کے وقت خاص حالت اور کیفیت کا طاری ہونا جس سے احادیث کا تمام مستند اور معتبر ذخیرہ بھرا پڑا ہے، ڈاکٹر صاحب ان تمام واقعات کو رجعت پسندوں کی اختراع قرار دیتے ہیں۔ چونکہ معراج جسمانی سے بھی وحی کی خارجی حیثیت صاف طور پر ثابت ہو رہی ہے۔ اس لئے محذرت پڑی کہ ”معراج جسمانی کے عقیدے پر بھی ہاتھ صاف کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے بلا کسی دلیل و حجت کے معراج سے متعلق احادیث کے تمام مستند ذخیرہ کو من گھڑت اور انسانہ قرار دیا جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی نگاہ میں احادیث کی کیا حیثیت ہے۔“ (سمیع الحق)

ملک کے دس کروڑ عوام کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ ان مفکروں کو یہ ہال کی کھال اتارنا مبارک، مگر انہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسلامی عقائد کو تاریخی افسانہ ”کہہ کر ہمارے قلوب کو مجروح کریں۔ پیغمبر جسمانی طور پر معراج کا اہل ہو سکتا ہے، یا نہیں، اس کا فیصلہ نہ مفکر نہ حکیم اور نہ عالم کر سکتے ہیں۔ یہ اعتقاد کی بات ہے اور پیغمبر کے سوا کون جان سکتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کون کون سی طاقت بخشی تھی۔“

قبیلہ اہل کی تبدیلی کے متعلق مصنف کی رائے قابلِ توجہ ہے اس لئے کہ وہ اپنے مرکزی خیال یعنی قرآن حکیم کو کلامِ نبوی ثابت کرنے کا یہاں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، وہ کہتا ہے — ”مسلمان تو یہی کہے گا کہ یہ حکم پیغمبر نے نہیں دیا تھا، بلکہ اللہ نے قرآن کے ذریعہ دیا تھا، ہم قرآن اور پیغمبر کے رشتے پر دوسرے باب میں اپنے خیالات کا اظہار کریں گے، یہاں پر ہم دوسرے مسئلہ کو متاثر کئے بغیر یہ کہنے پر اکتفاء کریں گے کہ ہم پیغمبر اور قرآن میں تمیز نہیں کریں گے —“ ہم مصنف کے اس فقرہ کے معنی خود اسی سے پوچھنے کی جرأت کریں گے کہ اگر وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قرآن میں تمیز نہیں کرتا، تو ظاہر ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ قرآن خود حضور کی تصنیف ہے۔ اگر وہ یہ کہنا چاہتا ہو تو پھر واضح الفاظ میں کیوں نہیں کہتا۔“ مگر شاید ہم غلطی پر ہیں، اس نے تو اپنی طرف سے ہر امکان تک یہ خیال پیش کر دیا ہے۔ اب قاری اپنی مرضی کے مطابق اس سے معنی نکالتا رہے جب مصنف کے الفاظ میں وحی خیال سے الفاظ بنی ہو تو پھر مخاطب وحی اور وحی کے ماحصل میں فرق نہیں رہتا۔

مصنف آگے چل کر اسلام کو ”تحریکِ محمدیہ“ کا نام دیتا ہے۔ یہ نام بھی بے وجہ نہیں دیا جاسکتا۔ قرآن کے متعلق مصنف کے الفاظ یہ ہیں :-

”زندگی کی اتھاہ گہرائیوں سے ایک آواز بلند ہو رہی تھی جو بڑی شدت سے پیغمبر کے ذہن پر دباؤ ڈال کر اپنے آپ کو شعور کی سطح پر واضح کر رہی تھی۔“

یعنی قرآن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے غور و فکر کا نتیجہ تھا۔ اس کے بعد مصنف یہ کہتے ہوئے نہیں سمجھ سکتا کہ :

”قرآن کا متن کئی جگہ پر واضح طور پر یہ کہتا ہے کہ وہ محض معنا نہیں بلکہ لفظاً نازل ہوا ہے۔“

اس سے شاید باور کرانا چاہتا ہے کہ وہ قرآنی دعوے سے واقف ہو رہے ہوتے ہوتے بھی اپنے عقیدے پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہتا ہے۔ بلکہ مصنف کو اصرار ہے کہ قرآن کی خارجیت کا عقیدہ علماء نے صدیوں بعد گھر گھر مسلمانوں میں رائج کیا۔ مصنف کو اپنی ذہنی بلندی پر ناز ہے وہ علماء سلف کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتا۔ اُس کے الفاظ میں :-

”علماء کے ذہن اتنے ترقی یافتہ نہ تھے (ان کے پاس ذہنی اوزار موجود نہ تھے) کہ وہ یہ دونوں باتیں کہہ سکتے کہ قرآن پورے کا پورا کلام اللہ ہے اور چونکہ اُسے پیغمبر کی دینی شخصیت اور عمل کے ساتھ بھی نہایت عمیق تعلق ہے اس لئے پورا کا پورا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام بھی ہے۔ یہ واضح رہے کہ قرآن ان دونوں باتوں کو مانتا ہے۔ کیونکہ جب وہ اس اور یہ اصرار کرتا ہے کہ قرآن کا نزول قلب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پہ ہوا ہے تو وہ آپ سے ایک خارجی چیز کیسے ہو سکتا ہے۔“

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مصنف یہ الجھا ہوا نظریہ جان بوجھ کر پیش کر رہا ہے۔ یادہ صمیم قلب سے اس نظریہ کا قائل ہے۔ قرآن قلب پر نازل ہوا یا ذہن پر۔ لفظ ”نزول قرآن“ سے ظاہر ہے کہ وہ خارج سے اُترا ہے۔ خصوصاً جب جبریلؑ کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا تو پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی شخصیت کس طرح اسکی موجب بن سکتی ہے۔ اگر کسی شے کو حضورؐ کی شخصیت سے تعلق ہو سکتا ہے تو وہ حدیث اور سنت بنوی ہے۔ یعنی آپ کے اقوال افعال ہی ہیں۔ تعجب آتا ہے تو اس بات پر کہ مصنف خود ہی تسلیم کرتا ہے کہ قرآن وحی کو از خارج قرار دیتا ہے۔ مگر یہ تسلیم کرنے کے باوجود وہ یہ کہتا ہے کہ — ”وحی کا از خارج ہونا علماء کی اختراع ہے جسے انہوں نے غلط تفاسیر اور من گھڑت احادیث کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔“ — سوال یہ ہے کہ اگر قرآن وحی کو ”از خارج“ قرار دیتا ہے۔ تو پھر علماء کے اختراع کے کیا معنی؟ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اگر مصنف قرآن کو سرے سے کلام انہی تصور ہی نہیں کرتا اور اُسے تصنیف بنوی قرار دیتا ہے۔ تو پھر وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن کے اندر جو ایسی آیات ہیں جن سے وحی کی خارجیت واضح ہوتی ہے وہ بھی چونکہ تصنیف بنوی ہیں۔ اس لئے وہ نعوذ باللہ وحی کو یعنی قرآن کو الفاظ ربانی کا درجہ نہیں دے سکتیں۔ اگر مصنف یہی کچھ کہنا چاہتا ہے تو اُسے چاہئے کہ

وہ مملکت، پاکستان کے نژاد عامرہ سے تنخواہ لینا بند کر دے، اور اپنے خیالات کی تبلیغ کے لئے ایک عام شہری کی حیثیت اختیار کرے۔

مصنف آگے چل کر قرآن کو "احساس خیال اور الفاظ" بتاتا ہے۔ یعنی قلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں احساس پیدا ہوتا تھا، اس سے ان کے ذہن میں خیال کے خدو خال ابھر آتے تھے اور پھر یہی خیال الفاظ کا جامہ پہن لیتا تھا۔ اس کے بعد کا فقرہ بھی قابل غور ہے: "حب محمد کا اخلاقی وجدانی ادبک بلند ترین مقام پر پہنچ کر اخلاقی قانون کا مقام پالیتا تھا۔ (والہام روحی)۔" کے ساتھ ہی ساتھ لفظ بھی دے دیا جاتا تھا۔

ہم حضور سرور کائنات کی "اخلاقی اہامی نظر" کی بلندی اور پھر از خود "اخلاقی قانون کا مقام حاصل کر لینے کے معنی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ صرف اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ مصنف کے خیال میں حضور کی داخلی کیفیت وحی پر منتج ہوا کرتی تھی اور الفاظ از خود مل جاتے تھے، لیکن ہم مصنف سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر وحی و قرآن حضور کی داخلی کیفیت اور اخلاقی اہامی نظر کی بلندی کا نتیجہ ہے۔ تو پھر محمد رسول اللہ کے کیا معنی ہیں۔؟ ہمیں امید ہے کہ اگر مصنف کے پیش نظر صرف ہمارے دین کا مذاق اڑانا نہیں تو بالغ نظری سے کام لیتے ہوئے ہمارے اس سوال کا جواب نہایت سنجیدگی اور ایمانداری سے دیا جائے گا۔ اور فلسفیانہ زبان و بیان سے احتراز برتنا جائے گا، واضح رہے کہ ہم یہ نہیں سننا چاہتے کہ ہماری محدود فہمی صلاحیت اس پیچیدہ مسئلہ کو سمجھنے سے قاصر ہے، اس لئے کہ ہمارا ذہن اللہ کا عطا کردہ ہے۔ اس اللہ کا جس نے

۱۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہم خیال متجددین مغرب زدہ لوگ عموماً چند ابدی حقیقتوں "اور" "اخلاقی قوانین" کی آرمیں اسلام کا علیہ بگاڑتے ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک یہ ابدی حقائق مثلاً انصاف مساوات احترام انسانیت ہر دور میں اچھے سمجھے گئے ہیں اسلام ان ہی ابدی حقائق کا نام ہے، سنانا کہ شریعت وحی اور رسالت کے بغیر یہ ابدی حقیقتیں صرف اصفانی حیثیت رکھتی ہیں۔ دنیا کے کچھ لوگ اور یہی عام جس چیز کو اخلاقی قانون سمجھتے ہیں عین اسی وقت دنیا کی دیگر اقوام اور مصلحین ان قوانین کو ظلم بربریت اور برائیوں کا نام دیتے ہیں۔ اسلام تعلیمات آسمانی کو اصل قرار دیتا ہے، اور اسے اخلاقی اور ابدی صداقتوں کا معیار نہ کہ نبی کا موجودہ صداقتوں سے اتواقیہ تطبیق کو اخلاقی قوانین اور وحی کہہ دیا جائے۔

(سمیع الحق)

پیغمبر آخر الزمان بنی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کو وحی کے ذریعے اس لئے اپنے الفاظ میں نازل کیا تھا۔ کہ اس کا تخلیق کردہ انسان اس کے فرستادہ پیغام کو بہ آسانی سمجھ سکے اور اس پر عمل کر سکے۔

مصنف اس داخلی کیفیت کے ذریعہ قرآن کو کلام رسول ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کا استدلال پیش کرتا ہے اور ایک جگہ تو حد سے گزر جاتا ہے، جب وہ کہتا ہے — ”وہ ایسا آدمی ہے جو فطرتاً لوگوں اور ان کے مطمح نظر کی طرف سے بے خبر ہے اور تاریخ کو از سر نو استوار کرنا چاہتا ہے۔“ — ہم اس طرز بیان کو گستاخانہ تصور کرتے ہیں۔ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جن کا قول ہے: ”لَيُخْرِقَتَيْنِ الْفَقْرَ وَالْجَمَادَ“ تاریخ کو از سر نو استوار کرنے کی آرزو نہیں رکھ سکتے۔ تاریخ کو اپنے مقاصد کے لئے وہ لوگ استعمال کرنے کے آرزو مند ہوتے ہیں۔ جن میں نام و نمود یا دولت کی خواہش ہو مگر جسے اللہ پکار کر کہہ رہا ہے۔ ”يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ فَاذْهَبْ“ وہ از خود بے صبری نہیں دکھاتا اور نہ ہی اپنی طرف سے تاریخ کو از سر نو ترتیب دینے کی کوشش کرتا ہے۔ مصنف شاید انگریزی زبان و بیان پر اپنی قدرت دکھانے کی رو میں یہ سب کچھ کہہ گیا ہے اور اُسے حضور سرور کونین کی شان میں گستاخی کا خیال نہ تھا، اگر عظمت رسول کے احساس کا فقدان تو اس امر سے ظاہر ہے کہ ساری کتاب میں حضور کے نام کے ساتھ صلوة والسلام کہیں نہیں۔ احساس خیال اور الفاظ سے چونکہ مصنف یہ بتانا چاہتا ہے کہ قرآن تصنیف نبوی ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر اس کے لئے دوسرا قدم صرف یہی ہو سکتا تھا کہ وہ کہے کہ فرمان نبوی کو دوام حاصل نہیں ہو سکتا۔ مصنف نے ان الفاظ میں تو نہیں کہا، البتہ اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز میں اس خیال کا اظہار ضرور کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے :

”اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کے قوانین خود قرآن کی رو سے دوامی نہیں ہو سکتے۔“

جہاں تک ہمارا علم ہے۔ آج تک کسی مسلمان نے یہ نہیں کہا کہ قرآن کے احکام خصوصاً اس کے قوانین دوامی نہیں۔ مسلمان گنہگار ہوتے ہوئے بھی اور اپنے گناہوں کو تسلیم کرتے ہوئے بھی کبھی اس ارتداد کے مجرم نہیں ہوئے کہ وہ تجاوز کر کے احکام و قوانین قرآن کو ہی منسوخ کہہ دیں۔ قرآن کے قوانین ادل تو ہیں ہی کفنی کے۔ شادی بیاہ، طلاق وراثت اور چند کبیرہ

”اسلام“

گناہوں کی سزاؤں کے علاوہ قوانین بہت کم ہیں۔ مصنف کے اس خیال کو اگر منطقی حدود تک بے جایا جائے تو پھر معاشرے میں مناد و انتشار کی کوئی حد نہیں رہ جاتی۔ اس فتنہ عظیم کی تہ میں جو خواہش مضمر ہے، وہ چھپی نہیں رہ سکتی۔ مصنف کا استدلال ایک بار پھر ملاحظہ ہو:

”قرآن کلام الہی ہے مگر اسی حد تک کلام نبوی بھی“

پھر

یہ (قرآن) دوامی ہے۔ مگر اپنی قانونی حیثیت میں پمدی طرح دوامی نہیں۔ یعنی چونکہ نعوذ باللہ یہ کلام نبوی ہے اور دوامی نہیں اس لئے حکیمانہ نظر رکھنے والے جب چاہیں اس کے احکام اور قوانین کے خلاف قانون وضع کر سکتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانا یا کہنا بھی جاری رکھ سکتے ہیں۔

حدیث و سنت پر اب تک جو حملے ہو رہے تھے مسلمان ان ہی سے نہ منٹ پائے تھے کہ فکر و نظر ”رکھنے والوں نے اب قرآن کو بھی اپنا ہدف بنانا شروع کر دیا ہے۔ احادیث کے متعلق مصنف کا نظریہ چھپا ہوا نہیں، وہ جاوید احادیث پر حملہ کرنے سے نہیں چوکتے۔ دراصل جو شخص قرآن کے مقام کو کم کرنا چاہے اسے حدیث کا احترام کیسے ہو سکتا ہے۔ اب تک قرآن کے کلام اللہ ہونے کا اگر کوئی ثبوت تھا تو وہ قول نبوی تھا، چونکہ حضورؐ نے بار بار فرمایا ہے کہ قرآن کلام الہی ہے جو وحی کے ذریعہ ان پر نازل ہوا ہے۔ اس لئے اسے کلام اللہ کا درجہ دیا گیا۔ اب جو قرآن سے اس کا یہ مقام چھیننا چاہے اس کے لئے

سہ قرآن مجید کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی قوانین اور ضوابط کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے بارہا کہا ہے کہ اس میں حالات کے مطابق تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ ایسے معاشرتی امور کیلئے ڈاکٹر صاحب نے تعدد از دواج کی مثال بھی پیش کی ہے (صفحہ ۲۹) انہوں نے اس مسئلہ کے دوران کار تا دیلات کے بعد اسی کتاب میں اصولی طور پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ”قرآنی قانون انسانی آزادی کی ترقی پسندانہ بنیادی اقدار کے رخ کی نشاندہی کرتا ہے اور اس ضمن میں نئی قانون سازی کی ذمہ داری ظاہر کرتا ہے۔ تاہم قرآن کے اصل ضابطے میں اسی عہد کے معاشرے کو بطور دائرہ کار قبول کرنا پڑا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے اصل ضابطے قرآن ہی کی نظر میں لفظی اعتبار سے ابدی نہیں ہو سکتے۔“ (صفحہ ۳۹)

(سبیح الحق)

مزدوری ہے کہ پہلے حدیث کو ناقابل اعتبار قرار دے چونکہ حضور بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن اور حدیث کو غلط ملط ہونے سے بچانے پر از حد زور دیا تھا اس لئے جدت پسند حدیث کی اہمیت کو سرے کم کرنے کی کوششوں میں سرگرمیاں ہیں مگر حدیث کی اہمیت اس طرح کی کوششوں سے کم نہیں ہو سکتی۔ بہر حال ہمیں خوشی ہے کہ مصنف سرے سے حدیث کا منکر نہیں اس کے الفاظ میں :-

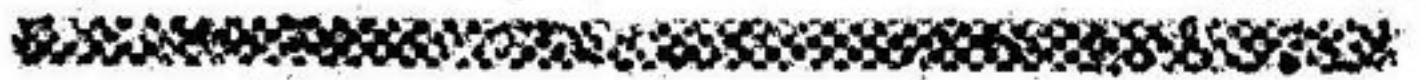
”اگر حدیث کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے تو قرآن کی تاریخی بنیاد یک قلم ختم ہوتی ہے۔“

اس فقرے میں بھی قرآن کی تاریخی بنیاد کی حفاظت ملحوظ رکھی گئی ہے، قرآن کے کلام اللہ ہونے کی دلیل کو پیش نہیں کیا گیا۔ شاید اس لئے کہ اس کتاب کا مقصد ہی یہ تھا کہ قرآن کو کلام نبوی کہہ کر اسکی دائمی ثنائی حیثیت کو ختم کیا جائے اور پھر اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کو قانونی مقام دے دیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ مصنف خود بھی کلام اللہ کی اکثر حدود کو توڑنے سے ہچکچائے گا۔

مصنف نے سبجا علماء کے کردار پر حملے کئے ہیں۔ علماء اور فلاسفوں کے درمیان جو اختلاف رہے ہیں ان کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح علماء اور صوفیاء کے اختلافات کو بھی غیر حقیقی رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔ ان رنگ آمیزیوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں علماء کے متعلق جو احترام اور قدردانیت موجود ہے وہ کم ہو جائے۔ اور مسلمان نئی تحریکوں کو قبول کرنے میں حیل و حجت نہ کریں کہیں علماء پر احادیث گھڑنے کا الزام ہے، کہیں عقلیت دشمنی کا، کہیں انہیں قانون کے پرستار اور کسی جگہ تنگ نظر اور متعصب بتایا ہے۔ علماء اور صوفیاء کے درمیان روابط سے مصنف یہ اخذ کرتا ہے کہ اسلام ہمیشہ اپنے اندر تبدیلیاں قبول کرتا رہا ہے۔ اس لئے علماء کو چاہئے کہ وہ اب بھی اسلام کے اندر تبدیلیاں آنے دیں۔ لیکن مصنف بھول جاتا ہے کہ ماضی میں فلاسفہ جو تبدیلیاں لانا چاہتے تھے۔ وہ خارجی اثرات کی پیدا کردہ تھیں اور اسی لئے ان کو روکر دیا گیا تھا۔ آج عقلیت کے پرستار اور نئی روشنی کے چاہنے والے جو تبدیلیاں عریانی اور آوارہ روی کی شکل میں لانا چاہتے ہیں وہ بھی خارجی اثرات کا نتیجہ ہیں، اور اسی لئے علماء نہایت سختی سے ان کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ مصنف کہتا ہے کہ ”تاریخ کی نئی ترجمانی کیساتھ

انصاف کرنے کے لئے ضروری ہوگا کہ وحی کے متعلق اعتقادات کو تبدیل کیا جائے۔

ہم مصنف کو یقین دلاتے ہیں کہ تاریخ کی نئی ترجمانی جتنی بھی اہم کیوں نہ ہو مسلمان وحی اور قرآن کے متعلق اپنے اعتقادات کبھی نہیں بدلیں گے۔ اس لئے کہ جب یہ اعتقادات بدل جائیں گے، تو پھر وہ کسی اور دین کے پیرو ہو جائیں گے۔ مسلمان نہیں رہیں گے۔ مسلمان ہر زمانے میں قرآن و سنت کے متعلق چوکنا رہے ہیں۔ اس لئے کہ ہر دور میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جن کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے: **وَاتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ لِيُوحِيَوا إِلَيْهِمْ** اولیاءہم لیعارضوہ (الانعام)



بقیہ: یاد رفتگان رہا ہے۔ حوصلے اور امید باندھنے کے لئے صرف یہی ایک چیز رہ گئی ہے۔
— مولانا مبارک علی مرحوم سے چند دن قبل دارالعلوم کے ایک استاد شیخ الہند کے تلمیذ اور خادم مولانا عبد الجلیل بھی وفات پا گئے۔ اور اسی طرح عالم اسلام کے ممتاز مفکر اور داعی مولانا البرہن الحسن علی ندوی کی والدہ ماجدہ مرحومہ (جن کا وجود علم و فضل اور زہد و تقویٰ کا ایک نادر نمونہ تھا۔) بھی انتقال کر گئیں۔
خداوند کریم سب حضرات کو بہترین مقام قرب و رحمت سے نوازے اور پسماندگان کو صبر نصیب ہو۔

مضمون نگار حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ الحق کیلئے لکھے جانے والے مضامین کا مسودہ تیار کرتے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ (۱) مسودہ کاغذ کے ایک طرف لکھا جائے۔ (۲) مسودہ میں الفاظ واضح اور موٹے ہوں۔ (۳) عربی اور فارسی الفاظ شکستہ خط میں نہ لکھے جائیں۔ مسودہ اگر ان مہولوں کے مطابق تیار کیا گیا ہو تو مضامین کی عمدہ ترتیب اور دیدہ زیب کتابت میں بڑی مدد ملتی ہے۔ امید ہے مضمون نگار حضرات الحق کی ظاہری خوبیاں برقرار رکھنے میں پورا پورا تعاون فرمائیں گے۔ ”ادارہ“

الحق کو ہم ہر ممکن احتیاط کے ساتھ ہر ماہ تمام خریداروں کی خدمت میں ارسال کرتے ہیں۔ پھر بھی کافی حضرات کی طرف سے شکایتی خطوط آتے ہیں۔ ایسے حضرات کو رسالہ دوبارہ بھیج دیا جاتا ہے، ہمیں انفرس ہے کہ محکمہ ڈاک کی اس بد نظمی کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں پھر بھی جہاں تک ممکن ہے ہم شکایات دور کرنے میں کوشاں ہیں۔